© rasailojaraid.com

"مسجد قرطبہ" — فنّی نقطۂ نظر سے

از: جناب ایس محمد ہاشم صاحب، شعبۂ اُردو۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

"مسجد قرطبہ" اقبال کی ان اہم ترین چند نظموں میں سے ایک ہے۔ جس کی وجہ سے اقبال تاج دارِ شاعری کہے جاتے ہیں۔ اس میں ان کے فکر و فن کا سارا نچوڑ سمٹ آیا ہے۔ یہ وہ واحد نظم ہے۔ جس کو پڑھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہ صرف یہی نظم لکھتے تو بھی ان کا شمار بڑے شاعروں میں ہوتا اس میں ان کی پوری شاعری پورا پیغام، ان کے تمام احساسات کی پرچھائیاں تخیل کی رفعت تشبیہوں واستعاروں کا حسین، لطیف اور برمحل استعمال، ان کا فلسفۂ حیات۔ تاریخِ انقلاب عالم، انسان کی حقیقت، مومن کی حقیقت۔ ان کا فرشتوں سے موازنہ اور ان پر فوقیت، اس کا مسجد قرطبہ سے موازنہ، اس کی عظمت، جلال وجمال، پاکبازی، دل نوازی۔ بے نیازی، اس کے علاوہ قوموں کے عروج وزوال کے نفسیاتی اسباب، کسی تخلیق کو اعجاز بنانے کے لیے اس میں خونِ جگر کا صَرف اور نہ جانے کتنے خیالات کو ایجاز بیانی کے ساتھ اس چھوٹی سی نظم میں سمو کر رکھدیا ہے۔

اقبال کے لکھنے والوں نے ان کے پیغام، ان کے مقصد اور ان کی فکر کی وضاحت پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ ان کے فن پر شاذ ہی لکھا گیا ہے۔ دراصل ان کی شہرت کا دارومدار ان کے پیغام پر ہے۔ اقبال کا مخاطب کوئی خاص ملک نہیں، ملّت بیضا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں مسلم قوم کے پس ماندہ حالات کا جائزہ لیا ہے، ان کا مرض تلاش کیا ہے اور ان کا حل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کیا ہے۔ اقبال کے کلام میں بین الاقوامیت کا عنصر ان کا مضبوط ترین پائنٹ ہے وہ پوری انسان برداری کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً فلاح چاہتے ہیں۔ اقبال وہ پہلا شاعر ہے جسے علوم متداولہ پر بھرپور عبور حاصل ہے اور صرف وہی یہ جانتا ہے کہ رومی۔ غزالی۔ گوئٹے وغیرہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اقبال کا ذہن اپنے عہد کا انتہائی پیچیدہ ذہن تھا۔

جب کوئی قوم پستی اور زوال کی حدوں کو پار کرنے لگتی تھی تب اس میں پیغمبر بھیجا جاتا تھا بڑا ادیب بھی اسی وقت پیدا ہوا ہے۔ جب زوال حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے خواہ وہ سرسید ہوں نذیر احمد ہوں، حالی ہوں خواہ اقبال۔ ادب زوال کے بعد عروج پاتا ہے۔ بیسویں صدی کی ابتدائی تین دہائیاں مکمل طور پر زوال پذیر تھیں، ہر جگہ مسلمان پسپا ہو رہے تھے، کوئی اسلامی سلطنت آزاد نہیں تھی۔ ترکی میں انقلاب آچکا تھا، بغداد تباہ ہوچکا۔ جرمنی۔ فرانس۔ اٹلی میں انقلابات رونما ہو چکے اور ہو رہے تھے مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ حجاز کا حاکم باغی و غدار تھا۔ وہ مسلمانوں کا دشمن بن گیا تھا۔ خود ہندوستان میں مسلمانوں کی بے کسی و بے بسی کی حالت تھی۔ مسلمانوں کی اس تباہ حالت کو دیکھ کر اقبال جیسے دردمند دل رکھنے والے انسان کی روح کانپ اٹھی۔ مسلمانوں کی بہت سی نشانیاں تھیں۔ ہندوستان میں قابل قبول چیز مسجد قوت الاسلام تھی۔ لیکن اس سے شان و شوکت ظاہر ہو رہی تھی اقبال کو مسلمانوں کے سامنے عبرت کا نمونہ پیش کرنا تھا۔ قرطبہ کی جامع مسجد سات سو سال پرانی ہے۔ مسلمانوں کے شان و شوکت کے زمانے کی یاد دلاتی ہے وہ اس وقت تباہ اور ویران ہے۔ جو چیز زبانِ حال سے مسلمانوں کے عروج و زوال کی یاد دلا رہی ہو وہ عبرت کا بہترین نمونہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ اسی مسجد قرطبہ کا انتخاب کرکے اقبال نے یہ نظم لکھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان ہماری تاریخ کی کتاب نہیں، ایک باب ہے۔ کتاب مڈل ایسٹ ہے۔ اقبال نے مسجد قرطبہ کو اسی لیے انتخاب کیا کہ وہ عظمت اور عبرت کی مکمل کہانی ہے۔ عبرت کی اس وجہ سے کہ اس کا نام سن کر فرانس اور جرمن لرز جاتے تھے اور آج اس کا کوئی پرسانِ حال تک نہیں۔ عظمت کی وجہ یہ ہے کہ مسجد قرطبہ کی کیا کیا بے حرمتی ہوئی لیکن وہ سات سو سال سے اسی طرح کھڑی ہوئی زمانہ کو گذرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے بڑے پہاڑوں کو تحلیل ہوتے۔ دریاؤں کو خشک ہوتے، سمندر کے مد و جزر کو، بادشاہوں کو پست ہوتے، عروج کا زوال ہوتے، اور زوال کے بعد پھر عروج کے راز کو افشا ہوتے، مذہبوں کی تبدیلیوں کو زمانے کے نشیب و فراز کو غرض ایک طویل عرصے سے ہر ہر چیز کو دیکھ رہی ہے۔ مسجد قرطبہ اسلامی تحریک، اس کی شان و شوکت اس کی حرکت و عمل کی ایک علامت ہے ایک SYMBOL ہے اگرچہ یہ مکمل تاریخِ انسانیت نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ کا ایک نمونہ ہے اسلام سے بے انتہا محبت اور اپنے بے پناہ خلوص کے ساتھ اسے خدا کے بندوں نے دنوں کی تپش اور راتوں کے گداز کے حسین امتزاج سے بنا کر پایۂ تکمیل کو پہنچایا تھا۔ دنیا کے سامنے ایسا بے مثال نمونہ پیش کیا تھا جس کی شہادت اتنے عرصہ کے بعد وہ خود زبان حال سے دے رہی تھی ایسی تخلیق آج ویران اور تباہ شدہ شکل میں پڑی ہوتی ہے، غیر اس پر قابض ہیں۔ مدت سے یہاں اذان اور نماز نہیں ہوتی۔ یہ دریائے کبیر کے کنارے کھڑی ہوئی ہے

یہ تمام تاریخی جھلکیاں نہیں اسی نظم "مسجد قرطبہ" میں ملتی ہیں۔

"مسجد قرطبہ" تخیل کی نہایت بلندی سے شروع ہوتی ہے۔ یہ نظم وقت کا اس وقت کا تصور لے کر طلوع ہوتی ہے جس کے تصور سے انسان کے تخیل کے پر جلنے لگتے ہیں۔ اس میں بہت بڑی حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔ وقت، جو کسی کے قابو میں نہیں آسکتا۔ اسے خریدا نہیں جاسکتا، اسے واپس نہیں لایا جاسکتا۔ اقبال نے اس وقت کو پیش کیا ہے۔ اس نظم میں وقت کی تیز خرامی اور تسلسل کو پیش کر کے عشق کی عظمت کو ابھارا ہے وقت سے پس منظر کا کام لیا ہے نظم اسی طرح شروع ہوتی ہے:

سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب اصلِ حیات و ممات

وقت کا ایک طویل سلسلہ ہے جو اپنے اہم واقعات و حادثات کے گہرے نقوش دنیا کے مختلف حصوں پر بناتا چلا جاتا ہے، اسی وقت کے ایک خاص حصہ کا نقش خود مسجد قرطبہ بھی ہے یہ وقت زندگی اور موت کی حقیقت بتاتا ہے۔ انسانوں نے اپنی آسانی اور سہولت کے خاطر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بہت سے حصّوں میں تقسیم کر لیا ہے یعنی سال مہینے ہفتے ۔ دن ۔ رات ۔ گھنٹے ۔ منٹ ۔ سیکنڈ لیکن اگر ان حدود سے بلند ہو کر ہم سوچیں تو وقت میں بہت کشادگی ہے، بہت رفعت ہے ۔ ایک تسلسل ہے ایک روانی ہے ۔ یہ وقت آفرینش عالم کی داستان سناتا ہم تک پہنچ جاتا ہے ۔ یہ وقت انسان کو لامحدود بنانا چاہتا ہے ۔ جس تیزی سے خود بہہ رہا ہے اسی رو میں انسان کو بہانا چاہتا ہے یہ سب کو پکارتا رہتا ہے ۔ اگر انسان وقت کے بازار کا سکہ بننے کے لائق نہیں تو یہ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے ۔ وقت دن اور رات کی حقیقت سے انکار کرتا ہے ۔ اس میں ایک تسلسل ہے ۔ ایک روانی ہے ۔ اگر انسان اس تسلسل میں اس کے قدم بقدم نہیں چلتا تو اس کے لیے موت بہتر سمجھتا ہے ۔ وقت کا یہ سلسلہ کبھی درہم برہم نہیں ہوتا ہر وقت جاری ہے جبکہ

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر کارِ جہاں بے ثبات کارِ جہاں بے ثبات

دنیا کی ہر نئی اور پرانی چیز فانی ہے وقت سب کے خاتمہ کا تماشائی ہے ۔ اگر کوئی اہم کارنامہ انجام دیا جاتا ہے تو اس کی علامت وقت ہی ہے ۔

اس نظم میں تین چیزیں حاوی نظر آتی ہیں ۔ وقت (تاریخ کے پس منظر میں بھی) مرد مومن اور عشق ۔ دراصل جس چیز کو علامت بنایا جاتا ہے ۔ اس کی بجائے خود اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی جتنی اس کی ہوتی ہے ۔ جس چیز کی علامت مانا جائے کیونکہ وہی اپنے پورے اثر، پورے آداب اور پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی ہے ۔ چنانچہ یہاں مسجد قرطبہ علامت ہے ۔ عشق کی ۔ اس لیے یہاں مسجد قرطبہ سے زیادہ اہمیت عشق کی ہے ۔

اقبال کا پیش کردہ عشق میر و فانی کے عشق سے ، مومن و غالب کے عشق سے اور داغ و حسرت کے عشق سے مختلف ہے ۔ اقبال کا اپنا مخصوص عشق ہے جس کی پرچھائی تصوف میں ملتی ہے ۔ اقبال کے عشق کا مطلب ہے نفی بالذات ۔ ان کے عشق پر موت حرام ہے ۔ یہ وقت ہی کی طرح لافانی ہے اسی لیے عصر رواں کے سوا بھی عشق میں زمانے پیوست ہیں اور

عشق خود اِک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ عشق سبھی لافانی ہستیوں کے یہاں مختلف شکلوں میں جلوہ گر رہتا ہے۔ چاہے حضرت جبریل ہوں یا رسول اکرم زندگی کے دوام کا راز اسی عشق میں مضمر ہے۔ عشق کرنے والا مومن بھی لافانی اور اس کے سبھی کارنامے لافانی ہوتے ہیں۔ دنیا کی سبھی چیزیں فانی ہیں۔ وقت سب کا تماشائی ہے۔ اگر کسی چیز کو بقا اور دوام حاصل ہوا ہے یا ہو سکتا ہے تو وہ اس مرد مومن کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ جو خدا کے عشق کا بہترین نمونہ ہے ——— خدا کے عاشق یعنی مرد مومن کے ذریعہ ہی عشق مسجد قرطبہ کے وجود کا سبب بنا۔ اس نے اپنا خون وجگر صرف کر کے اس مسجد کو تیار کر کے دائمی بنا دیا

مرد مومن خدا کا عاشق ہے۔ جس کے ہر سانس اور ہر نغمہ سے اللہ ہو کا ساز نکل رہا ہے جو اس کے رگ وپا میں پیوست ہے۔ یہ بندہ اگرچہ فرشتوں کے مقابلے میں بہت کم عبادت کرتا ہے لیکن دن بھر کام کرنے کے بعد اپنی ہزاروں دنیاوی اور نفسانی خواہشات کو ترک کر کے راتوں کی نیند حرام کر کے اپنے محبوب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر گریہ وزاری کرتا ہے۔ وہ اس سے بلند مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ جس معصوم مخلوق کو عرف عام میں 'پیکر نوری' یا فرشتہ کہتے ہیں۔ جس کے پاس کوئی نفسانی خواہش بھی نہیں ہے۔ دلوں کی تپش کے نتیجے میں جو گداز انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ دعا بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوتی ہے۔ وہ گداز فرشتوں کو میسّر نہیں اگرچہ وہ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

اس مرد مومن کا کوئی ایک مقام متعین نہیں، ہر بلندی پر پہنچ کر اس کی یہ دعا رہتی ہے :-

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب

اور اقبال کے الفاظ ہیں :-

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر — تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اس مرد مومن میں بہت سی صفات ہیں۔ یہ حُسن وجمال کا بہترین نمونہ ہے۔ موسیٰ اور ابراہیم جیسی لازوال شخصیتوں کا مقلد ہے۔ اس لیے خود بھی لافانی ہے۔ یہ بہادری اور شجاعت میں طاق ہے یہ دنیا کو وہم جانتا ہے صرف زندگی گذارنے کے لیے دنیا کو قبول کئے ہوتے ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

انھیں مردان خدا نے دنیا کی مہذب قوموں کو حکومت کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ اور یورپ کی تاریک راتوں میں علم کی شمعیں جلا کر انھیں راستہ دکھایا۔ ان کے حسین چہروں کا عکس حسن کے چہروں پر حسن کی آنکھوں پر پڑ گیا ان کے سامنے چشم غزال ماند پڑ گئیں۔ ان کے بلند اخلاق کا اثر پڑھنے کی وجہ سے وہ لوگ اپنے کو قابل فخر سمجھنے لگے۔

یہ ہے اقبال کا مرد مومن۔ ان خصوصیات کا حامل مرد مومن اس وقت اقبال کو نظر نہیں آرہا۔ اگر ایسا شخص پیدا ہو جاتے تو جس طرح فرانس۔ اٹلی۔ جرمنی وغیرہ میں انقلاب آچکے ہیں۔ ملت بیضا کے اس اضطراب کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے اس پر اتنے مظالم ہو رہے ہیں۔ مرد مومن کے دل کے بیکراں سمندر میں ظلم کا تلاطم آیا ہوا ہے۔ اب یہ بھی انقلاب چاہتا ہے۔ پھر:۔

دیکھئے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا

اقبال کی یہ پیشنگوئی ہے کہ مستقبل قریب میں ان زبردست مظالم کا انجام ظاہر ہو کر رہے گا۔ ان مظالم کا جس قدر صدمہ مجھے ہوا ہے اگر میں اس کا اظہار کر دوں تو:۔

لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

آخر میں اقبال اپنا ایک پیغام پیش کرتے ہیں کہ زندگی کے لیے انقلاب ضروری ہے قوموں کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ زمانے کے قدم سے قدم ملا کر چلیں۔ اگر قوموں کا جمود نہیں ٹوٹتا ہے اور وہ زمانے کے حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں تو ان کا انجام موت ہے۔

اس نظم میں خطاب کا رنگ و لہجہ غالب ہے۔ الفاظ کی در و بست سے اہتزاز کی موسیقی پیدا کی ہے۔ خود قرطبہ کو متعدد بار مخاطب کیا ہے پہلے بند میں وقت کے سلسلہ میں قرطبہ سے خطاب کر کے تین اشعار کہے گئے ہیں۔

مسجد قرطبہ کو اس نظم میں اس طرح مخاطب کیا ہے جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب سے راز و نیاز کی باتوں میں مصروف ہو۔ کہیں اس سے بہت مؤدبانہ انداز میں گفتگو کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہیں اندلس کی سرزمین کی عظمتِ حرم مرتبت کا راز وہاں مسجد کی تعمیر میں مضمر بتاتا ہے کہیں خطابیہ لہجہ میں مومن اور قرطبہ کا موازنہ کرتا ہے۔ مسجد کے وجود کا سبب مردِ مومن کے عشق کو ٹھہراتا ہے۔ کہیں قرطبہ کی عظمت کا ذکر کر کے مومن کی صحیح عظمت ثابت کرتا ہے۔ کہیں کیفیت، سرور اور لطف کے لحاظ سے اپنا (شاعر کا) اور مسجد قرطبہ (کے منظر) کا موازنہ کرتا ہے کہیں مسجد کی ویرانی، اس میں اذان و نماز نہ ہونے کے سبب افسوس ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی عظمت کا ہر ہر لحظہ اعتراف کرتا رہتا ہے۔ کہیں اس دریا کو جس کے کنارے مسجد کھڑی ہے، مخاطب کر کے مستقبل کے روشن امکانات کی امید دلاتا ہے۔ ترتیب وار ان سبھی خطابات کا اشارہ کے طور پر ایک ایک شعر پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس نظم کی اس خوبی کی خاطر خواہ وضاحت ہو سکے۔

تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ ؛ سلسلۂ روز و شب صیرفیٔ کائنات
کعبۂ اربابِ فن، سطوتِ دینِ مبیں ؛ تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
تیرا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل ؛ وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

اسی میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ حسن کے لیے جمال کا ہونا لازمی ہے۔ اس کی تکمیل کے لیے جلال کا ہونا بھی ازبس ضروری ہے۔ چاند خوبصورت ہے لیکن اس میں جلال نہیں۔ سورج میں یہ دونوں خصوصیات موجود ہیں۔ اس لیے وہ حسن کا مکمل نمونہ ہے۔ اسی طرح مسجد قرطبہ کے حسن کی تشکیل میں اور اسی کے ساتھ ساتھ مردِ مومن کے یہاں بھی جمال اور جلال دونوں موجود ہیں۔

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز ؛ اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود ؛ عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
تیری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز ؛ تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
کافرِ ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق ؛ دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں ؛ آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آب روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی ، دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

خطاب کے ان متعدد پیرایہ ہائے بیان اقبال کی زبردست قدرتِ بیان اور مکالماتی لہجوں کی باآسانی تبدیلی پر روشنی پڑتی ہے جو ان کی مہارتِ فن کا بہترین ثبوت ہیں۔ خطاب کے علاوہ استفہامیہ انداز بھی کہیں کہیں اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے جہاں خیالات کو سوال کے پیکر میں ڈھالنے کے فن سے واقفیت ہوتی ہے وہیں شاعر کے مضطرب ذہن کے جوش مار کر اٹھتے ہوئے سوالات کے پس پشت اس کی گہری بصیرت کا بھی علم ہوتا ہے

پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا ، اس کو میسر نہیں سوز و گدازِ سجود

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے ، عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں

دیکھیے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا ، گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

بقول قاضی عبدالستار ـــــــ "ہر فنکار یہ جانتا ہے کہ مجھے کیا لکھنا ہے، صرف بڑا فنکار ہی یہ جانتا ہے کہ مجھے کیا نہیں لکھنا"

اقبال نے جس سلیقہ سے الفاظ کا انتخاب کیا ہے اور بڑی سے بڑی بات کو چند لفظوں میں بیان کر دیا ہے، یہ انہیں کا کمال ہے۔ اس نظم میں فرانس۔ جرمن وغیرہ کے انقلابات کی جھلکیاں صرف ایک ایک شعر میں دکھا کر آگے بڑھ گیا ہے۔ دراصل انقلابات کی تاریخ ایک خاص مقصد اور ایک خاص نقطۂ نظر سے پیش کی ہے۔ اور وہ مقصد، وہ دلیل ہے اسلامی دنیا میں انقلاب کے امکان کی۔ اقبال نے چند انقلابات یعنی جرمن فرانس اور اٹلی کا ذکر کر کے پس منظر کا کام لے کر افسانہ کے نقطۂ عروج کی طرح بے ساختہ اپنے مقصد کو ابھارا ہے :-

روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب ، رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان

اور پھر

دیکھیے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال کے سامنے تاریخ مجسم بن کر رہ گئی ہے۔ مسلمانوں کی شان و شوکت اور عروج کے زمانہ میں یہ مسجد تیار ہوئی تھی اور اس سات سو سال کے عرصہ میں اس پر کیا کیا واقعات بیتے، کیا کیا حادثات رونما ہوئے ۔۔ یہ مسجد سب کو برداشت کر رہی ہے۔ اس کی دیواروں کے شگاف اور اینٹوں کے نکلے ہوئے دانت ایک طرف مصائب و شکالیف کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے اور گذار دینے کی علامت کا کام دے رہے ہیں۔ دوسری طرف یہ مسجد اس دنیا کی پستیوں اور بلندیوں پر کھلکھلا کر (قہقہہ مار کر) ہنس کر اس کا مضحکہ اڑا رہی ہے غرض تاریخ کے اوراق الٹتا جاتا ہے۔ وقت کو مختلف پیرائے کے بیان میں پیش کرتا جاتا ہے۔ اور چند الفاظ کے ذریعہ ہی ہمیں چلمنوں کے پیچھے سے تاریخ جھانکتی نظر آرہی ہے اقبال شکوہ کے لیے تفصیل و تمہید کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کم سے کم الفاظ میں اپنی بات پیش کر دینا چاہتے ہیں۔ پورا شکوہ بیان کر کے اس کے جواب کے لیے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاویل کے طور پر کچھ نہ کچھ تمہید ضرور ہو لیکن جواب شکوہ بھی اچانک شروع کر دیتے ہیں:۔

آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا

اقبال کے یہاں مقصد مقدم ہے فن کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس کے باوجود تمام بڑی شعری خوبیاں اقبال کے یہاں نہایت کامیاب پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں۔ استعارے اور تشبیہیں استعمال کرتے جاتے ہیں لیکن ان میں آورد کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ہر چیز برمحل اور چسپت رہتی ہے۔ اقبال، فن کو اس حد تک عظیم بنانے کے لیے کہ اس میں معجزہ کی شان پیدا ہو جائے اس میں خونِ جگر کا صرف ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر خون جگر کی سینچائی کے بعد کوئی فن وجود میں نہیں آتا تو وہ اعلیٰ درجہ کا نہیں بن سکتا۔ اسے اس نظم میں دو جگہ استعاراتی انداز میں بیان کیا ہے۔ پہلے شعر میں وہ معوری کا استعارہ رنگ کو، تعمیر کا اینٹ و پتھر کو اور حرف و صوت (آواز) کو موسیقی کا استعارہ مان لیتے ہیں کہ فنون لطیفہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقر ہو ہی نہیں سکتے جب تک ان پر خونِ جگر صرف نہ ہو۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت ؛ معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

دوسری جگہ بھی کچھ اسی طرح کی بات کہی ہے :۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر ؛ نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

ذیل کے شعر میں تشبیہ و استعارے کے حسین امتزاج سے نزاکت کے ساتھ کتنی بلیغ بات کہی ہے

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات ؛ عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

ایک جگہ عشق کو کبھی شراب (طہورا) جس سے حقیقی معنوں میں سرمستی حاصل ہوتی ہے اس سے تشبیہ دی ہے۔

عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

ایک اور جگہ مردِ مومن کے یقین کو حق کی پرکار کے نقطہ (مرکز) سے تشبیہ دی ہے۔

تشبیہات کے سلسلے میں اقبال کی اس نظم کو داد دینی پڑتی ہے۔ ایسی نظم جو ان کی حرکی نظم ہے اور جو عبرت کی داستان ہے۔ اس میں کئی لطیف تشبیہیں استعمال کر کے قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ روشن دن اور تاریک رات کے امتزاج سے زمانہ آگے بڑھتا جارہا ہے، یہاں اہمیت دن اور رات یعنی جزو کی نہیں کُل کی، زمانہ کی ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح جیسے سفید اور کالے ریشم کے حسین امتزاج سے قبا تیار کی جائے۔ نہایت نادر، برمحل اور نازک تشبیہ ہے :۔

سلسلۂ روز و شب تارِ حریرِ دو رنگ ؛ جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبا کے صفات

انسان کے سینہ کو عرشِ معلّٰی سے تشبیہ دے کر اس کی عظمت اور خدا سے اس کی قربت کی دلیل پیش کی ہے۔ تشبیہات بہت ہی کڑھی ہوئی اور چست استعمال کی ہیں کہیں حرف شبہ ہے کہیں نہیں۔ ان تشبیہوں سے ایسی فضا آفرینی کی ہے جسے پڑھ کر دل وجد کرنے لگتا ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے ؛۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی ؛ خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال ؛ اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
تری بنا پائدار تیرے ستوں بے شمار ؛ شام کے صحرا میں ہوں جیسے ہجوم نخیل

شام کے وقت جب یہ نظم لکھی گئی، جملہ معترضہ کے طور پر ایک تشبیہ کے ذریعہ اس کا سماں باندھا ہے۔ جو آگے کہی جانے والی بات کے لیے پس منظر کا کام بھی دے رہا ہے۔ سورج غروب ہونے کے بعد آسماں کی سرخی کو لعل بدخشاں سے تشبیہ دی ہے۔ پھر جمود توڑ کر آنے والے انقلاب کی طرف اشارہ کیا ہے:-

وادیٔ کہسار میں غرق شفق ہے سحاب ؛ لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

اقبال ایک کامار (،) کے ذریعہ ایک ہی لفظ سے پورے فقرے یا جملے کا مفہوم واضح کر دیتے ہیں۔ یہ ان کی اختصار پسندی اور ایجاز بیانی کا بہترین ثبوت ہے۔ مثلاً

عشق دم جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰ ؛ عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام
خاکی، و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات ؛ ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو ؛ رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
ساقیٔ ارباب ذوق فارس میدان شوق ؛ بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل

اقبال کے یہاں رمزیت۔ ایمائی قوت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ وہ حسن ادا کے جادو سے انسانی ذہن کو مسحور کر لیتے ہیں۔ ان کے یہاں الفاظ و معانی کی موزونیت، تخیل کی رفعت، طرزِ ادا کی شوخی و ندرت۔ ترکیبوں کی نزاکت اور تقابل و تناسب۔ بلاغتِ کلام، اور ذوقِ لطافت کے ساتھ ساتھ محاسنِ کلام کو برتنے پر انھیں پوری قدرت حاصل ہے یہاں اقبال کی زبان اور ان کے تصورِ زبان پر بحث کا موقعہ نہیں تاہم اتنا ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ وہ شاعری اور زبان کو اپنے مقصد اور پیغام پیش کرنے کا وسیلہ قرار دیتے ہیں موضوع کی تبدیلی کے ساتھ لب و لہجہ بھی بدلتا رہتا ہے۔ الفاظ خود اچھے یا برے۔ بلند تر یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمتر نہیں ہوتے۔ ان کے استعمال سے ان کا معیار متعین ہوتا ہے۔ اقبال نے اردو شاعری کو پرشکوہ لہجہ GRAND-STYLE عطا کیا ہے۔ جو شاعری میں صرف میرانیس کا کمال ہے۔ میرانیس کا موضوع مرثیہ تھا۔ جس رزم و بزم کے بیان کے ساتھ ساتھ تلواروں کی جھنکار، فوجوں کی گھما گھمی سے لڑائی کے مناظر پیش کئے جاتے ہیں۔ اس میں ایک جذبہ ہوتا ہے ایک جوش ہوتا ہے۔ جو تمام کیفیات سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے بیان میں پرشکوہ لہجہ آہی جاتا ہے۔ لیکن اقبال کا موضوع میرانیس سے مختلف ہوتے بھی شوکت الفاظ اور پرشکوہ اندازِ بیان میں ان کے قریب پہنچ گیا ہے۔ جواب شکوہ کی طرح مسجد قرطبہ کا اندازِ بیان بھی یہی ہے۔ لہجہ کے علاوہ، اور نئی نئی تشبیہات کے استعمال کے علاوہ مثال کے طور پر اقبال نے اردو شعراء میں زندگی، کے لیے سب سے زیادہ تشبیہیں و استعارے استعمال کئے ہیں۔ اس کے علاوہ بے انتہائی نئی ترکیبیں اردو کو عطا کیں۔ مثلاً مسجد قرطبہ سے ہی چند ترکیبوں سے ان کی زبردست صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سلسلۂ روز و شب۔ نقش گرِ حادثات۔ تار حریر دو رنگ۔ زیر و بم ممکنات۔ صیرفیٔ کائنات۔ پیکر گل۔ کاس الکرام۔ عشق کے مضراب۔ نغمۂ تار حیات۔ ساقی اربابِ ذوق۔ فارس میدانِ شوق۔ نقطۂ پرکار حق۔ عصمت پیر کنشت۔ کشتی نازک۔ رواں کشتی، دل۔ گنبد نیلوفری۔ چہرۂ افکار وغیرہ۔

اس نظم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعض جگہ اس میں روانی کا دریا بہہ گیا ہے۔ مثلاً:۔

اس کا سرور اس کا شوق اس کا ناز اس کا نیاز

مسجد قرطبہ حسنِ تعمیر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں زمان و مکان کا فلسفہ اور عشق کا تصور سبھی کچھ آگیا ہے۔ یہ ان کی حرکی نظم ہے۔ یہ ایک علامت ہے۔ فن کو سمجھنے کے لیے علامتوں کا یاد رکھنا ضروری ہے۔ وہ تمہید بیان کرنے کے عادی نہیں ہیں جو مقصد ہے اسے اچانک پیش کر دیتے ہیں نظم نہایت چست اور (COMPECT) ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس میں ایک شعر بلکہ ایک لفظ بھی بھرتی کا نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جو الفاظ اس میں استعمال کئے گئے ہیں ان کی تخلیق ہی اس کے لیے ہوئی تھی اس نظم کو پڑھنا (READING) آسان نہیں ہے۔ اس کی موسیقی عجیب وغریب ہے۔ یہ رجز کے انداز میں لکھی ہوئی ہے۔ اسلیے اس میں رجز کی موسیقی ہے۔ اس کو اگر رات کی تنہائی میں پڑھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا سے بہت بلند ترین مقام پر کھڑا ہو کر دنیا کے نشیب و فراز کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس میں سمندر سے زیادہ مدوجزر ہے۔ آٹھ بندوں کی یہ نظم ہر نئے بند سے قصیدے کے مطلع کی طرح جوش و خروش سے آگے بڑھتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑوں کی فوج قریب میں آگئی ہے اور ان کے ٹاپوں کی آواز کانوں کو پھاڑنا چاہتی ہے۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی پرشور دریا کے کنارے کھڑے ہیں۔ غرض اس کی موسیقی بے مثال ہے۔ اس نظم میں شیرینی اور سلاست نہیں ہے بلکہ کھدرا پن ہے۔ یہ اس کا عیب نہیں، خوبی ہے۔ خوبی اس لیے کہ اس نظم کی تعمیر میں مسجد تعمیر ہوتی نظر آرہی ہے۔ جو اس کی نشو و نما میں اضافہ کررہی ہے پوری نظم جہاں ایک طرف بھرپور مقصد کی حامل ہے، فنی اعتبار سے بھی اقبال کی بہترین اور مکمل ترین نظم ہے۔ اس میں ان کا پورا فن سمٹ آیا ہے۔ اسی لیے کہنا پڑتا ہے کہ اقبال اگر صرف یہی نظم بھی لکھتے تب بھی ان کا شمار بڑے شعرا میں ہوتا ٥٥٥٥

ضروری گذارش

ادارہ ندوۃ المصنفین کی ممبری یا برہان کی خریداری وغیرہ کے سلسلے میں جب آپ دفتر کو خط لکھیں یا منی آرڈر ارسال فرمائیں تو اپنا پتہ تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ برہان کی چٹ پر آپ کے نام کے ساتھ درج شدہ نمبر بھی ضرور تحریر فرمائیں۔

Accession numbers
..39590
Date 15.1.8
Ah

© rasailojaraid.com